# اقبال کی اُردو نثر کا اجمالی تعارف و جائزہ

وقار سلیم رانا[1]، ڈاکٹر محمد آصف اعوان**

**Abstract:**

"Iqbal was a great poet, philosopher, thinker and writer. The importance of Iqbal's poetry in the interpretation of his thought and art is obvious. In general, Iqbal's scholars paid close attention to Iqbal's poetic demands and concepts and his merits and demerits, but did not pay much attention to his prose writings. When Iqbal opened his eyes, there was talk of Sir Syed's rationalism and purposefulness on the one hand, and on the other hand, the style of romantic prose writers was of interest to readers. Iqbal took such qualities as logic, reasoning and purposefulness from the Sir Syed movement and accepted the effects of pleasure and excitement from Romantic prose writers. That is why Iqbal's prose style is not only a reflection of emotional attitudes, but he also has a tendency to make the reader his peer by holding on to his intellectual consciousness."

**Keywords**: Iqbal, Romantic Prose, Rationalism, Purposefulness, Urdu Prose

کلیدی الفاظ:اقبال، رومانوی نثر ، عقلیت، مقصدیت،اُردو نثر

اقبال ایک عظیم شاعر ، فلسفی، مفکر اور مصنف تھے۔ اقبال کے فکر وفن کی تشریح و توضیح میں اُن کی نظم و نثر کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے۔عام طور پر محققینِ اقبال نے اقبال کے شعری مطالب و مفاہیم اور محاسن و معائب کو ملحوظ خاطر رکھا تاہم اُن کی نثری نگارشات کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔جب اقبال نے آنکھ کھولی تو ایک طرف سر سید کی عقلیت پسندی اور مقصدیت پسندی کا چرچاتھا تو دوسری طرف رومانی نثر نگاروں کا اُسلوب قارئینِ ادب کےلیےدلچسپی کا باعث تھا۔اقبال نےمنطقیت،استدلال اورمقصدیت جیسی صفات تحریکِ سرسیدسے لیں اورلطافت و شگفتگی جیسے اثرات ’’مخزن‘‘ سےقبول کیے۔یہ ہی وجہ ہے کہ اقبال کا نثری اُسلوب محض جذباتی رویوں کا عکاس نہیں بلکہ ان کے ہاں فکروشعور کو تھام کر قاری کو اپنا ہم نوا بنانے کا رجحان بھی پایا جاتا ہے۔

اقبال ایک عظیم شاعر ، فلسفی، مفکر اور مصنف تھے۔ اُنہوں نے حیات ِانسانی کی مختلف جہات کا عمیق مطالعہ کیا اور اپنے افکار و خیالات کی روشنی میں اِن سے جڑے مباحث کی گتھیاں سلجھائیں ۔ اقبال کی عالمانہ دسترس نے نہ صرف اُنہیں، اُن کے عہد میں ممتازو منفرد بنایا بلکہ وہ اربابِ حل و عقد کی نظر میں ایک جداگانہ دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ابتدائے آفرینش سے انسان نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے مختلف پیرائے اختیار کیے اور اپنے جذبات و احساسات سے دوسروں کے قلوب واذہان کو معطر کیا۔ شاعری میں تو قافیہ، ردیف اوربحور و عروض جیسی کئی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاہم نثر میں لکھاری اِن تمام حدود و قیود سے آزاد ہو کر واشگاف انداز میں اپنے افکار وخیالات کا اظہار کرتا ہے۔

اقبال بنیادی طور پرایک شاعر تھے۔ اقبال نے اپنے تصورات ونظریات کی تشریح و توضیح میں

---

[1]پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،فیصل آباد

** پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

مختلف شعری اَسالیب کا سہارا لیا تاہم اقبال کی شعری نگارشات کے ساتھ ساتھ، اقبال کی نثری نگارشات بھی اُن کی وسعتِ قلب و نظر کی غمازی کرتی ہیں۔ اقبال کو اُردو زبان سے خصوصی لگاؤ تھا۔ جس کی تائید اُن کی نگارشات سے ہوتی ہے۔ اِسی حوالےسےاقبال اپنے مکتوب بنام محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی میں رقم طراز ہیں:

"کاش اردو خواں لوگوں میں علمی مذاق پیدا ہو اور بہت سے ایسے مصنفین پیدا ہوں جن کے دماغی مسائل (مساعی؟) سے اردو زبان کا علمی لٹریچر ایسا ہی وسیع ہو جائے جیسے دنیا کی دیگر مہذب زبانوں کا ہے۔"[۱]

مندرجہ بالابیان سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اقبال اُردو زبان و ادب سے کس قدر گہری وابستگی رکھتے تھے۔ عام طور پر محققینِ اقبال نے اقبال کے شعری مطالب و مفاہیم اور محاسن و معائب کو ملحوظ خاطر رکھا تاہم اُن کی نثری نگارشات کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ اگر ہم اقبال کی نثری تحریروں کا مطالعہ کریں تو بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اقبال کے فکر وفن کی تشریح و توضیح میں اُن کی نظم و نثر کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہےجس طرح اقبال کا اُردو و فارسی کلام اُن کے افکار و خیالات کا آئینہ دار ہے،بالکل اُسی طرح اقبال کی نثری نگارشات بھی گہرے علمی و فکری سرمائے کی حامل ہیں۔افکارِ اقبال کی متعدد ایسی جہتیں ہیں جن کی وضاحت و صراحت کے لیے اقبال کی نثر کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

"اقبال کی نثر ان کے کلام سے کم اہم نہیں ہے، بلکہ ایک لحاظ سے قدر و قیمت میں نظم سے بھی زیادہ ہے کہ اس کے بغیر، اقبال کے فکر و ذہن اور کلام کو پوری طرح سمجھنا مشکل ہے--اس کے مطالعے کی طرف ہمارے اہل قلم نے وہ توجہ نہ دی جس کی ضرورت تھی۔"[۲]

اقبال کی اُردو نثر کا بیش بہا خزانہ اُن کی نگارشات کی صورت میں موجود ہے، جو سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔ اقبال کی اُردو نثر، اُن کے اُردو مقالات و مضامین، اُردو دیباچے ، تقاریظ اور اُردو مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اقبال کی تمام انگریزی تحریریں ،انگریزی مضامین، اُردو تراجم، ملفوظات، آرا، بیانات، پیغامات، خطبات اور اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں لکھی جانے والی تحریریں بھی موضوعِ تحقیق سے خارج ہیں چناں چہ اقبال کی اُردو نثر کا جائزہ اِن ہی اصول و ضوابط کی روشنی میں لیا جائے گا۔

ہر شاعر یا ادیب انسانی زندگی کا عکاس و نقاد ہوتا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے منسلک ہوتا اور یہ ہی ماحول اُس لکھاری کی ذہنی و قلبی صلاحیتوں پر نمایاں اثرات مرتسم کرتا ہے۔ اگر ہم کسی بھی لکھاری کے ذہنی و فکری اِرتقا کا جائزہ لینا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ ہم اُس لکھاری کے عہد کا مطالعہ کریں اور اُن میلانات و رجحانات سے آشنا ہوں جو کسی بھی لکھاری کو لکھاری بنانے کا اصل محرک ہوتے ہیں۔ چونکہ را قم کاموضوع اقبال کی اُردو نثر سے متعلق ہے، تاہم اُردو نثر کی روایت کا جائز ہ عہدِ اقبال کے پس منظر میں لیا جائے گا اور اقبال کی اُردو نثر کے مجموعی مزاج و آہنگ سے روشناس ہونے کی کوشش کی جائے گی ۔

عہدِ اقبال میں اُردو نثری اَسالیب کے اِرتقا پرغور و خوض کیاجائے تو ایک طرف دبستانِ سر سید کے اہلِ قلم نظر آتے ہیں تو دوسری طرف رومانی نثر نگار۔ 1857ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد مسلمان زوال و انحطاط کا شکار ہو گئے اور اپنا ملی تشخص کھو بیٹھے۔ یہ دور امتِ مسلمہ کے لیے نہایت نازک دور تھا۔سر سیداحمد خاں(۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) نےحالات کے تغیر و تبدل کا جائزہ لیتےہوئےیہ نتیجہ اخذکیا کہ مسلمانوں کو فعال بنانے کے لیے جدید تعلیم کا حصول لازم و ملزوم ہے۔ یہ ہی وہ عزم تھا جس کے تحت سر سید نے مقصدیت پسندی کو پروان چڑھایا اور ادب کے افادی پہلو پر زوردیا ۔

اقبال کی دبستانِ سر سید سےگہری وابستگی تھی۔ اِس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ مولوی سید میر حسن (۱۸۴۳ء۔ ۱۹۲۹ء) ایک صوفی منش، روشن خیال اور جدید تعلیم کے حامی انسان تھے۔ اُنہوں نے تحریکِ سر سید کی خصوصی طور پر حمایت کی۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''انہوں نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں مولانا سید میر حسن کے زیر نگرانی حاصل کی جو سید احمد خاں کے پر جوش حامی تھے،لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کی وساطت سے اقبال اپنی ادبی زندگی کے ابتدائی دور میں علی گڑھ تحریک سے آشنا ہوئے اور اس کے مقاصد کے حامی رہے۔''(۳)

سر سید کو صنائع بدائع سے لگاؤ نہ تھا البتہ تشبیہ و استعارہ سے کام چلاتے ، کہیں طنز و ظرافت ، کہیں مکالمانہ انداز ، کہیں خطیبانہ لہجہ اور کہیں سنجیدگی و متانت کے باعث اُن کی نثر لطافت و دلکشی سے محروم ہو جاتی۔ سر سید نے نثر نگاری کی قدیم روایات سے انحراف کیا اور نثر کو علمی و ادبی موضوعات کے لیے مختص کر دیا۔ وہ مدعا نگاری و مقصدیت پسندی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ جذبے اور تخیل سے حتی الامکان اجتناب کرتے۔ سر سید کے دیگر رفقاء میں خواجہ الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء۔۱۹۱۴ ء)، مولانا شبلی نعمانی(۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء)، ڈپٹی نذیر احمد(۱۸۳۱ء۔۱۹۱۲ء) اور مولانا محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء۔۱۹۱۰ ء)سر فہرست نظر آتے ہیں۔

حالی سر سید کے مقلد تھے ۔ حالی کے ہاں پُرتکلف نثر کی بجائےبے ساختگی اور فطری پن پایا جاتا ہے۔ اُن کی نگارشات پُر جوش نہیں۔ وہ دھیمے مزاج کے آدمی تھے اور مزاج کایہ ہی رنگ وآہنگ اُن کے اسلوبِ نگارش میں بھی عیاں ہے۔ حالی کے اسلوب میں کہیں شاعرانہ انداز اور کہیں عقلیت و منطقیت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، تاہم مجموعی طور پر اُنہوں نے بھی عبارت آرائی کی بجائے مدعا نگاری کو فوقیت دی۔

شبلی کے ہاں جوشِ بیان اور رنگینی پائی جاتی ہے۔ وہ فصاحت و بلاغت ،شعریت، ایجازو اختصار اور موسیقیت و رعنائی جیسی خوبیوں سے اپنی نگارشات کو مزین کرتےہیں ۔شبلی کے بعد ڈپٹی نذیر احمد فکرِ سر سید کو لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کا انداز خطیبانہ اور عربی وفارسی الفاظ و تراکیب کی وجہ سے، اُن کے ہا ں ثقیل پن کا احساس ہوتا ہے۔مولانا محمد حسین آزادکا اُسلوب دبستانِ سر سید کے دیگر لکھاریوں سے قدرے مختلف ہے۔اُن کے ہاں اُسلوب کی رنگینی و پرکاری نقطۂ عروج پر ہے۔ اُن کی نگارشات زبان و بیان پر قدرت کے ساتھ ساتھ شگفتگی و لطافت، شیریں بیانی اور تخیل کی نزاکت سے لبریز ہیں۔(۴)

شیخ سرعبدالقادر(۱۸۷۴ء۔۱۹۵۰ء)نے 1901ء میں ''مخزن'' جاری کیا ۔ اِس ادبی رسالہ میں ایک طرف تو دبستانِ سر سید کی گونج سنائی دے رہی تھی تودوسری طرف سر سید کی عقلیت پسندی و مقصدیت پسندی کے خلاف علمِ بغاوت بلندکیا جا رہا تھا۔ بالفاظِ دیگر ہم اِس رحجان کو رومانیت کے نقطۂ آغاز سے تعبیر کر سکتے ہیں۔اِس رومانیت کی ابتدا تو شبلی نے عہدِسر سید ہی میں کر دی تھی تاہم اِس کی نشوونما میں ''مخزن'' نے بہت اہم کردار ادا کیا۔بہت جلد رومانیت ایک باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر گئی ۔''اس تحریک کے علم برداروں میں مولانا ابوالکلام آزاد، سجاد حیدر یلدرم، مہدی افادی اور سلطان حیدر جوش وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔''(۵)تحریک علی گڑھ اور رومانیت کے حامی، دونوں مکاتبِ فکر کے لکھاری ''مخزن'' کے اوراق کو اپنی نگارشات سے سجاتے رہے ۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی رقم طراز ہیں:

''خود'' مخزن'' میں ان دونوں رجحانات کا سنگم نمایاں تھا کیونکہ ان دونوں رجحانات کے علم بردار اس رسالے میں باقاعدگی سے لکھتے تھے۔ ان لکھنے والوں کا دائرۂ کار سر سید اور ان کی تحریک کے زیرِاثر لکھنے والوں کے دائرۂ کار سے مختلف تھا۔ ان کے موضوعات بھی مختلف اور متنوع تھے۔''(۶)

سر عبدالقادر ''مخزن'' کے مدیر تھے۔ اُنہوں نے اِس ادبی رسالہ میں خود مضامین لکھے اور اپنے عہد کے نامور اہلِ قلم حضرات سے بھی مضامین لکھوائے۔ اقبال نے بھی پہلے پہل اپنی نثر نگاری کا آغاز'' مخزن'' ہی سے کیا۔ بقول ڈاکٹرعبادت بریلوی:

''ان کا پہلا مضمون اس اہم رسالے کے جنوری 1902ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ یہ گویا ان کے

نثر لکھنے کی ابتداتھی جس کا آغاز بھی ''مخزن'' ہی سے ہوا۔ مضمون کا عنوان تھا ''بچوں کی تعلیم و تربیت۔ ''(۷)

ہر لکھاری اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کے لیے منفرد طرزِ نگارش اختیار کرتا ہے جسے عام طور پر اُسلوب یا اسٹائل کہا جاتا ہے۔ یہ اُسلوب لکھاری کے فکر و شعور اور زاویہ ہائے نظر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہر لکھاری کے اُسلوب کا ایک خاص اور منفرد مزاج ہوتا ہے جو اُس لکھاری کی شخصیت اور ماحول کاآئینہ دار ہوتا ہے۔ جب اقبال نے آنکھ کھولی تو ایک طرف سر سید کی عقلیت پسندی اور مقصدیت پسندی کا چرچاتھا تو دوسری طرف رومانی نثر نگاروں کا اُسلوب قارئین ادب کےلیےدلچسپی کا باعث تھا۔ اقبال نے اپنے عہد کےنثری مزاج کا بغور مطالعہ کیااور اپنے اُسلوبِ نگارش کو دبستانِ سر سید کے اوصاف و خصائل کے ساتھ ساتھ رومانوی نثرنگاروں کی جمالیاتی ا قدارسے مزین کیا ۔ اقبال نے اپنے اُسلوبِ نثر کے لیےنئے قالب تراشے اور کلیدی طور پر کسی خاص نثری دبستان کی پیروی نہیں کی، یہ ہی وجہ ہے کہ اقبال اُردو نثر نگاری کے میدان میں ایک منفرد اور جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

> ''اقبال کی نثر میں اس جذباتی دور کا رنگ و آہنگ ایک حد تک پایا جاتا ہے، لیکن یہ مدِنظر رہے کہ ان کا حقائق پسند ذہن ان کی نثر کو تخیل اور جذبات سے اتنا گراں بار، اتنا مجبور نہیں کر دیتا کہ لوگ شیرینی بیان کے مزے میں محو ہو کر مدعا و مضمون سے یکسر غافل ہو جائیں۔ اقبال نے ہمیں علمی زبان کا ایک ایسانمونہ دیا ہے جس میں علمی حقائق کا چہرہ اچھی طرح نظر آتا ہے۔ اس میں زیبائش اگر کہیں ہے بھی ،تو اس نے حقائق کے رنگ کو پھیکا نہیں کر دیا۔''(۸)

مجموعی طور اقبال کی اُردو نثرسلاست و روانی، برجستگی و توازن اور مدعا نگاری کا حسین امتزاج ہے۔ وہ استدلالی انداز میں اپنے موقف کا اظہار کرتے اوربڑے سے بڑا علمی نکتہ غیر محسوس انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اقبال اپنے مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' میں بچوں کی نفسیات، اُن کے ماحول اور اُن کی ذہنی صلاحیتوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ٹھوس علمی حقائق، کچھ اِس انداز سے بیان کرتے ہیں:

> ''بچوں میں ہمدردی کی علامات بھی ظاہر ہوتی ہیں جن سے بچے کی اخلاقی تعلیم میں ایک نمایاں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کسی کو ہنستا دیکھے تو خود بھی ہنستا ہے۔ ماں باپ غمگین نظر آئیں تو خود بھی ویسی ہی صورت بنا لیتا ہے۔ تجربہ اور مشق سے یہ جبلی قوت بڑھتی جاتی ہے۔''(۹)

اقبال کی اُردو نثر خشکی و ثقالت سے مبرا ہے۔ وہ کہیں بھی اپنے اندازِ بیان کو بے کیف نہیں ہونےدیتے ۔ قاری اُن کی نثر کو پڑھتے پڑھتے ، اُن کا ہم نوا بن جاتا ہے۔ اُن کے ہاں جذبات کی شدت کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کا ٹھہراؤپایاجاتا ہے۔ وہ تلخ سےتلخ حقائق کو بڑی سلاست و روانی اور سادگی کےساتھ بیان کرتے ہیں۔ اُن کا اندازِ تخاطب کچھ اِس طرح کا ہے کہ آخری حرف تک دلچسپی قائم رہتی اور پڑھنے والا بوریت کا شکار نہیں ہوتا۔اقبال اپنے مضمون ''قومی زندگی'' میں کہتے ہیں:

> ''عوام کی تو کچھ نہ پوچھیئے، کوئی اپنی عمر کا اندوختہ بچے کے ختنہ پر اڑا رہا ہے، کوئی استاد کے خوف سے اپنے ناز پروردہ لڑکے کا پڑھنا لکھنا چھڑا رہا ہے، کوئی دن بھر کی کمائی شام کو اڑاتا ہے اور کل کا اللہ مالک ہے کہہ کر اپنے دل کو تسکین دیتا ہے۔''(۱۰)

اقبال نے جہاں ٹھوس علمی حقائق کو بیان کیا وہاں اُ ن کی اردو نثر میں جمالیاتی اُسلوبِ نگارش کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ کہیں تشبیہ و استعارہ سےکام لیتے، کہیں تصویر کشی کرتے ہوئے تمام تر جزئیات و تفصیلات کا خیال رکھتے اور کہیں تلمیحات کا سہار الیتے ہوئے ادبی چاشنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ وہ پیرائے ہیں جو اقبال کی اُردونثر کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔اقبال اپنے مضمون ''قومی زندگی'' میں لکھتے ہیں:

> ''لڑکا خواہ منگنی سے پہلے اپنے سُسرال کے گھر میں جاتا ہی ہو، منگنی کے بعد تو اُس کو اس گھر سے ایسی پرہیز کرنی ہوتی ہے جیسے ایک متقی کومے خانے سے۔''(۱۱)

اسی طرح اقبال ایک اور جگہ کہتے ہیں:

''برق ،جس کی مضطربانہ چمک تہذیب کے ابتدائی مراحل میں انسان کے دل میں مذہبی تاثرات کا ایک ہجوم پیدا کر دیا کرتی تھی، اب اس کی پیام رسانی کا کام دیتی ہے سٹیم اس کی سواری ہے اور ہوا اُس کے پنکھے جھلا کرتی ہے۔''(۱۲)

اقبال زبان و بیان پر دسترس رکھتےہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ اُن کے ہاں موضوع اور اُسلوب کے درمیان ایک خاص قسم کا ربط و اختلاط پایا جاتا ہے۔ وہ کم سے کم الفاظ کے ذریعے اپنے مفاہیم و مطالب کو قاری تک پہنچانےپر ملکہ رکھتے ہیں۔ خالص فلسفیانہ مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے بھی اُن کے ہاں بے ساختہ پن پایا جاتا ہے۔ جب اقبال فلسفہ، تصوف، خودی، حیات اور حیات بعد الموت جیسے عمیق موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں تو کہیں کہیں عربی، فارسی ،انگریزی اور ہندی کے دقیق الفاظ بھی اُن کی تحریروں کی زینت بن جاتے ہیں، جو تحریروں کو بے کیف یا ثقیل بنانے کی بجائےاُن کی سلاست و روانی میں اضافہ کرتےہیں۔ بقول اقبال:

''مسئلہ اناکی تحقیق و تدقیق میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی ذہنی تاریخ میں ایک عجیب و غریب مماثلت ہے اور وہ یہ کہ جس نقطہ خیال سے سری شنکر نے گیتا کی تفسیر کی اسی نقطہ خیال سے شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی نے قرآن شریف کی تفسیر کی جس نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔''(۱۳)

اِسی اُسلوبِ نگارش کےحوالے سے اقبال اپنے مکتوب بنام وحید احمد مسعود بدایونی میں لکھتے ہیں:

''حقیقت میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی نسبت دنیائے شاعری سے کچھ بھی نہیں۔اورنہ کبھی میں نے SERIOUSLY اس طرف توجہ کی ہے۔''(۱۴)

اقبال کی اُردو نثر کا ایک کثیر حصہ ،اُن کے اُردو مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اگر ہم اقبال کے اُردو مقالات و مضامین کے اُسلوب کاموازنہ ،اِن کے اُردو مکاتیب کے اُسلوب سے کریں تو اُردو مکاتیب اُسلوبِ بیان کی رنگا رنگی سے سرشارمعلوم ہوتے ہیں ۔ اقبال کے اُردو مکاتیب کا طرز ِنگارش ،اُردو مقالات و مضامین سے بالکل مختلف ہے۔ اقبال اپنے اُردو مقالات و مضامین میں اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کہیں کوئی سقم نہ رہنے پائےتاہم اُردو مکاتیب کے معاملے میں بے تکلفی سے کام لیتے ہیں۔ اقبال خط لکھنے کے دوران احتیاط پسندی سے گریز کرتے اور نہایت عجلت میں خط لکھتےہیں ،جس کی وجہ سے اکثراوقات 'نے'،'کو'،' کا'اور' کی' جیسے الفاظ چھوٹ جاتے ہیں۔(۱۵) اِسی عجلت پسندی کے بارے میں اقبال اپنے مکتوب بنام خان محمدنیاز الدین خاں میں رقم طراز ہیں:

''خطوط ہمیشہ عجلت میں لکھے جاتے ہیں اور اُن کی اشاعت مقصود نہیں ہوتی۔ عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں۔''(۱۶)

اِسی خط میں اقبال مزید کہتے ہیں:

''میں پرائیویٹ خطوط کے طرز بیان میں خصوصیت کے ساتھ لا پرواہ ہوں۔'' (۱۷)

اقبال کے اُردو مقالات و مضامین تو خصوصی طور پر علمی وادبی نوعیت کے ہیں تاہم اقبال کے اُردو مکاتیب، اقبال کے علمی و فکری مباحث کی گتھیاں سلجھانے کے ساتھ ساتھ اُن کی زندگی کے مخفی گوشوں کی آبیاری میں بھی سود مند ثابت ہوتے ہیں۔ اقبال کے اُسلوب ِنثر کا ایک بالکل نیا رنگ و آہنگ اُس وقت ہمارے سامنے آتا ہے، جب وہ اپنی قوتِ متخیلہ سے کام لیتے ہوئے سفرِانگلستان کے تاثرات قلم بند کرتے ہیں۔ اقبال دوران ِسفر اپنے جذبات و احساسات ا ور واقعات و تجربات کو نہایت خوب صورت انداز سے ایک دلچسپ روداد کی صورت میں پیش کرتے ہیں کہ سارے کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔ اقبال کے خط بنام مولوی انشاء اللہ خاں سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''رستے میں ایک آدھ بارش بھی ہوئی جس سے سمندر کا تلاطم ۔۔سمندر کا پانی بالکل سیاہ معلوم ہوتا ہے اور موجیں جو زور سے اٹھتی ہیں ان کو سفید جھاگ چاندی کی ایک کلًغی سی پہنا دیتی ہے اور دُور دُور تک ایسا معلوم ہوتا ہے گو یا کسی نے سطح سمندر پر روئی کے گالے بکھیر ڈالے ہیں۔''(۱۸)

اقبال ایک عظیم شاعر، مفکر ، مفسر اور مصنف تھے۔ اُن کے افکارو خیالات نے مختلف زاویہ

ہائے فکر و نظر کے اذہان کومتاثرکیا ۔ یہ ہی وجہ ہے کہ بیشتر اقبال شناسوں نے اقبال کے تصورات و نظریا ت کے حوالے سے بہت کچھ لکھا اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری و ساری ہے۔ کہیں کلامِ اقبال کی تشریح وتوضیح کی جا رہی ہے تو کہیں اقبال کے فکر وفن، شخصیت و کردار او ردیگر معاملاتِ ہائے حیات کے حوالے سےبہت سے اعتراضات کیے جار ہے ہیں۔ اگر ہم اقبال کی اُردو نثر کا عمیق مطالعہ کریں تو اقبال پر لگائے گئےاعتراضات کے جوابات تک رسائی کے ساتھ ساتھ اقبال کے بیشتر تصورات کی درست تفہیم کو بھی یقینی بنایا جا سکتا ہےمثال کے طور پر اقبال اپنےمکتوب بنام محمداحمد اللہ خاں منصور حیدر آبادی میں عقل کی تشریح وتوضیح کچھ اس اندازسے کرتے ہیں:

”عقلِ انسانی نظامِ عالم کے ظاہر کو روشن کرتی ہے۔ اس کے باطن کو نہیں دیکھ سکتی۔“(۱۹)

عشق کے حوالے سے اقبال خواجہ غلام السیدین کے نام ایک خط میں کہتے ہیں:

”وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا اور جو علم حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے۔“(۲۰)

اقبال کی اُردونثر فنِ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ اقبال کے ادبی ولسانی شعور کی غمازی بھی کرتی ہے اور اُن مخفی گوشوں کو روشن کرتی ہے،جو قارئینِ اِقبال کی دلچسپی کا باعث ہیں۔ فنِ شعر گوئی کےحوالے سے اقبال ڈاکٹر محمد حسین کے نام ایک خط میں لکھتےہیں:

”دل میں درد ہو تو اس کے اظہار کا بہترین طریق شعر ہے۔“(۲۱)

اِسی ضمن میں اقبال مولانا گرامی کے نام ایک خط میں رقم طراز ہیں:

”اس جگر کاوی کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا سکتے۔ ان کے سامنے شعر بنا بنایا آتا ہے وہ اس روحانی اور لطیف کرب سے آشنا نہیں ہو سکتے جس نے الفاظ کی ترتیب پیدا کی ہے۔ جہاں اچھا شعر دیکھو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے۔ اچھے خیال کا پیدا کرنا اوروں کے لیے کفارہ ہوتا ہے۔“(۲۲)

فنِ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ،اقبال اپنےلسانی شعورکی وضاحت وصراحت سَردار عبُدالرّب خاں نشتر کے نام ایک خط میں کچھ اِس انداز میں کرتے ہیں:

”زبان کو میں ایک بُت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے۔ بلکہ اظہارِ مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مُردہ ہو جاتی ہے۔“(۲۳)

عام طور پر اقبال کا اُسلوبِ نگارش سنجیدگی و متانت کا آئینہ دار ہے تاہم بعض احباب کے ساتھ اُن کی شوخی، زندہ دلی اور بے تکلفی قابلِ ستائش ہے۔ خاص طور پر جب اقبال مولانا غلام قادرگرامی(۱۸۵۶ء ۔۱۹۲۷ء) سے ہم کلام ہوتے تو اُن کااُسلوبِ نگارش یکسر بدل جاتا۔بقول اقبال:

”گرامی سال خوردہ ہے یعنی سالوں اور برسوں کو کھا جاتا ہے پھربوڑھا کیوں کر ہو سکتا ہے بوڑھا تو وہ ہے جس کو سال اور برس کھا جائیں۔“(۲۴)

اِسی طرح اقبال مولانا گرامی کے بارے میں خان محمدنیاز الدین خاں کے نام ایک خط میں کہتے ہیں:

”گرامی صاحب نے شاید ملک الموت کو کوئی رباعی کہہ کر ٹال دیا ہے اور کیا تعجب کہ ہجو کہنے کی دھمکی دے دی ہو۔“(۲۵)

شعوری طور پر اقبال نے نثر نگاری کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی، جس کا اعتراف اُنہوں نے خود اپنے مکتوب بنام ضیاء الدین برنی میں کیا ہے:

”میرے نثر کے مضامین صرف چند ایک ہیں اور وہ بھی محفوظ نہیں۔“(۲۶)

مند رجہ بالا بیان کے باوجود اقبال کی اُردو نثر کا عمیق مطالعہ اِس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اقبال کا نثری سرمایہ، اُن کے شعری سرمائے کی طرح بہت اہم ہے۔ اقبال نےبنیادی طور پر کسی مخصوص نثری دبستان کی پیروی نہیں کی،یہ ہی وجہ ہے کہ اقبال اپنے اسلوبیاتی رنگ و آہنگ کے باعث ایک منفرد اور صاحبِ طرز نثر نگار کہلائےبقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

”اقبال کا تخلیقی اور فکری جوہر ان کی نثر اور شاعری میں ہم رنگ نہ سہی ہم مزاج ضرور

ہے۔اور یہ بھی یقین ہو گیا ہے کہ شاعر اقبال ایک منفرد طرز کا نثر نگار بھی ہے۔‘‘(۲۷)

اِسی ضمن میں ڈاکٹر سید عبداللہ مزیدکہتے ہیں:

’’میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ اقبال اگر شاعری نہ کرتے اور نثر ہی لکھتے، تو بھی وہ اُردو نثر میں مرزا غالب کی مانند ایک خاص دبستان یاد گار چھوڑ جاتے۔‘‘(۲۸)

درج بالا تصریحات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال نے اُردو زبان کے دامن کوفکری ومعنوی لحاظ سے وسعت دی۔ دقیق سے دقیق علمی و فکری موضوعات پر خامہ فرسائی کی تاہم سلاست و روانی اور شگفتگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اقبال کی اُردو نگارشات حقائق و معارف کی آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ بے کیفی اور خشکی سے عار ی ہیں۔ یہ زبان و ادب کی وہ بیش بہا خدمت ہے جس میں اقبال یکتا و یگانہ نظر آتے ہیں۔

# حوالہ جات


۱۔ محمد اقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلد چہارم، مرتبہ؛ سید مظفرحسین برنی،دہلی:اردو اکادمی،۱۹۹۸ء،ص۹۳۷
۲۔ فرمان فتح پوری،**اقبال سب کے لئے**،کراچی:اردو اکیڈمی سندھ،۱۹۷۸ء، ص۳۷
۳۔ محمداقبال،**شذراتِ فکرِاقبال**،مرتبہ؛ڈاکٹرجاویداقبال،مترجم؛ڈاکٹرافتخاراحمدصدیقی،لاہور:مجلسِ ترقیٔ ادب،طبع دوم، ۱۹۸۳ء،ص۴۷
۴۔ گلشن طارق،**فروغِ اُردومیں اقبال کی خدمات کا تحقیقی جائزہ**،لاہور:فکشن ہاوس،۲۰۱۲ء، ص۱۹۴۔۱۹۶
۵۔ عبادت بریلوی،ڈاکٹر،**اقبال کی اُردو نثر**،لاہور:مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۷۷ء، ص۳۳
۶۔ ایضاً،، ص۳۳
۷۔ ایضاً، ص۴۱
۸۔ عبداللہ،سید،ڈاکٹر، **اعجازِاقبال**،لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۴ ء، ص۵۵۔۵۶
۹۔ محمداقبال،" بچوں کی تعلیم وتربیت"، مشمولہ؛ **مقالاتِ اقبال**، مرتبہ؛ سیدعبدالواحدمعینی، لاہور: القمرانٹرپرائزز، ۲۰۱۱ء، ص۳۹
۱۰۔ محمداقبال،"قومی زندگی"،مشمولہ؛**مقالاتِ اقبال**،مرتبہ؛سیدعبدالواحدمعینی ، ص۸۸
۱۱۔ ایضاً، ص۹۵
۱۲۔ ایضاً، ص۷۵
۱۳۔ محمداقبال، دیباچہ" مثنوی اسرارِخودی"، مشمولہ؛**مقالاتِ اقبال**، مرتبہ؛ سیدعبدالواحدمعینی، ص۱۹۵
۱۴۔ محمداقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلددوم،مرتبہ؛سیدمظفرحسین برنی،دہلی:اردو اکادمی،۱۹۹۱ء، ص۲۶۹
۱۵۔ محمدامین اندرابی،ڈاکٹر،**مطالعۂ مکاتیبِ اقبال**،کشمیر:تابش پبلی کیشنز،۱۹۹۱، ص۳۲۹
۱۶۔ محمداقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلددوم،،مرتبہ؛سیدمظفرحسین برنی، ص۱۳۵
۱۷۔ ایضاً،ص۱۳۵
۱۸۔ محمداقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلداول،مرتبہ؛سیدمظفرحسین برنی،دہلی:اردو اکادمی،۱۹۸۹ء، ص۱۰۳۔۱۰۴
۱۹۔ محمد اقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلد چہارم، ص۴۰۸
۲۰۔ ایضاً، ص۳۴۵
۲۱۔ محمداقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلددوم، ص۵۱
۲۲۔ محمداقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلداول، ص۴۸۶
۲۳۔ محمداقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلددوم، ص۴۷۰
۲۴۔ محمداقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلداول، ص۴۶۷
۲۵۔ ایضاً، ص۴۳۵
۲۶۔ محمداقبال،**کلیاتِ مکاتیبِ اقبال**،جلددوم، ص۳۳۵
۲۷۔ محمداقبال، **مقالاتِ اقبال**،مرتبہ؛سیدعبدالواحدمعینی، ص۱۹۔۲۰
۲۸۔ ایضاً، ص۲۰